الطاف حسین حالؔی ۔۔۔ اُردو کے پہلے رپورتاژ نگار

ڈاکٹر محمد امتیاز

Abstract:

Researchers and Critics claim that the first Reportage written in Urdu is Molvi Iqbal ali . He Published his first Reportage in 1884. Some are saying that Sajjad Zaheer is the first, who published his Reportage on the title: yadian in 1935 and others are saying that Kirshan Chander is the first who published his Reportage on the Title: Poday in 1946. In this article the above claim has been proved as a misconception on the part of these researchers. Further, this article presents sufficient materiel to claim Altaf Hussain Hali as the first Reportage in Urdu. Who wrote his Reportage published by; Ali Garh Institute Gazette in 1880.

رپورتاژ (Reportage) اور Report ، دونوں لفظوں کے معانی ایک ہی ہیں۔ انگریزی زبان کی سبھی لغات میں اس کے معنی کچھ یوں بیان کیے گئے ہیں:

Report; v.t and i. Bring back account of, state as ascertained fact, tell as news, narrate of describe or repeat, esp., as eye witness etc.

اسی لغت میں Report کی ذیل میں Reportage کی معنی یوں لکھتے ہیں:

Reportage, n (Typical style of) reporting events for press. (1)

ایک دوسری متداول اور مقبول لغت میں Report کے معنی ان الفاظ میں دیے گئے ہیں:

To convey; to bring back as an answer, news, or account of anything: to give an account of; to relate.

جب کہ Reportage کے معنی ان الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں:

Jorunalistic reporting; style or manner; gossip;(2)

اوکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری میں Report کے معنی یوں دیے ہیں:

رودادبیان کرنا۔ اطلاع دینا، بتانا، خبر دینا، بیان کرنا۔

اور Reportage کے معنی اس طرح دیے گئے ہیں:

وقائع نویسی یا روئداد نگاری کے خصوصاً پریس میں اشاعت یا نشر کے لیے، اس کا مخصوص انداز، رپورتاژ۔ حقائق کا اندراج کتابی شکل میں۔ (۳)

اُردو میں رپورتاژ ایک معروف ادبی صنف ہے جب کہ انگریزی میں رپورتاژ محض صحافت کے سلسلے کی چیز ہے یہی وجہ ہے کہ پن گوئن ڈکشنری آف لٹریری ٹرمز اینڈ لٹر یری تھیوری (مرتبہ: J.A. Cuddon) میں اس کی اندراج نہیں ہے۔ (۴) ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے نزدیک:

> مغربی رپورتاژوں میں مطالعے سے ایک بات تو یہ سامنے آتی ہے کہ انھیں تخلیقی ادب کا حصہ نہیں سمجھا گیا اور نہ ہی الگ سے رپورتاژ بطور صنف (ادب) مغرب میں رائج ہوئی۔۔۔ اسے بالعموم رپورٹ ہی کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ مغرب میں اسے صحافت (سے تعلق رکھنے والی چیز) یا فوری اثر کے تحت لکھی گئی ہنگامی رواد ہی سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ انگریزی رپورتاژوں کے پہلے مجموعے میں آدھی سے زیادہ رپورتاژ میں خالص صحافیوں کی اپنے اخباروں، رسالوں کے لیے لکھی گئی چشم دید رپورٹیں ہی ہیں۔ اس روایت کا آغاز امریکن سول وار(۱۸۶۵ء) کے زمانے سے ہوا۔ اس زمانے میں صحافی افواج کے ساتھ ساتھ چلتے اور مورچوں میں بیٹھ کر برمحل رپورٹیں تحریر کر کے اخباروں کو بھجواتے۔ برطانیہ میں بیسویں صدی میں اس کا رواج اس وقت بڑھا جب پہلی اور دوسری (عظیم) جنگیں لڑی گئیں۔ اس کے بعد کوریا اور ویت نام کی جنگوں کی چشم دید رپورٹیں بھی لکھی گئیں۔ یوں یہ سلسلہ چل نکلا جو آج تک جاری ہے۔ (۵)

مغرب میں تو رپورتاژ ایک مخصوص قسم کی رپورٹنگ ہی ہے اور یہ ایک صحافیانہ تحریر ہے جب کہ اُردو والوں نے اسے ایک صنف ادب کے طور پر پیش کیا ہے۔ کرشن چندر کی تحریر پودے کو عام طور پر اُردو کی پہلی رپورتاژ کہا جاتا ہے جو ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ (۶)

رپورتاژ نگاری وقائع نویسی یا روئداد نگاری ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس اعتبار سے یہ صحافت سے بھی تعلق رکھتی ہے اور تاریخ نویسی سے بھی لیکن اِن دونوں علوم سے اسے جو چیز علیحدہ کرتی ہے وہ اس کا فن ہے۔ یہ موضوع کے اعتبار سے تاریخی اور صحافیانہ چیز ہونے کے باوجود اگر فنّی ہو تو ادبی چیز بن جاتی ہے۔ رپورتاژ کے لیے خارجی عناصر اس کی تشکیل کے لیے درکار ہوتے ہیں لیکن اس کو ادبی اور فنّی شے اس کا اُسلوب بناتا ہے اور اس میں مصنف کی داخلی کیفیات اور اس کے تاثرات اس کے راہ نما ہوتے ہیں۔ (۷)

مغرب میں جو رپورتاژ بالعموم لکھے گئے ہیں ان میں سے بیشتر ہنگامی موضوعات پر تحریر ہوئے ہیں مثلاً جنگ کے واقعات ، بلووں اور فسادات کی رودادیں، حادثات، آفاتِ ارضی و سماوی، قحط، خشک سالی، سیلاب اور زلزلوں سے جنم لینے والے المیوں کی داستانیں۔لیکن ادبی ، تہذیبی، ثقافتی جلسوں اور تقریبوں کی بھی رپورتاژ کا موضوع بنایا گیا ہے۔ سیر و سیاحت کا بیان اگرچہ سفرنامے کا موضوع ہے لیکن سفر کے دوران چھوٹے چھوٹے واقعات، مختلف مقامات کی تہذیبی اور سماجی سرگرمیوں اور مسافر کی مختلف النوع تفریحات اور مشغولیات کا ادبی مؤثر اور رنگین اظہار رودادِ سفر کو رپورتاژ اور ادبی چیز بنانے میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ ادبی اور غیر ادبی تحریر کے فرق کے حوالے سے ڈاکٹر احسان الحق کہتے ہیں:

> وہ تحریریں جو کاروبار و معاملاتِ حیات کے ٹھوس امور اور حقائق کے بیان کے سلسلے میں اس طور پر وجود میں آتی ہیں کہ لکھنے والے کا مطمعِ نظر مدعا و مقصود کے بے لاگ اور صاف ستھرے ابلاغ کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا ادب کے دائرے میں نہیں آتیں۔ لیکن اس کے برعکس جہاں بیان تو معاملاتِ حیات ہی کا ہو لیکن حقائقِ حیات جذبے کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں اور لطیف احساسات کی خوشبو میں بسے ہوئے ہوں اور ان کا بیان حُسن آفرینی کی نیّت سے ہو تو ایسے بیانات گلستانِ ادب کے پھول سمجھے جائیں گے۔ (۸)

محمد حسین آزاد کی تذکرہ شعرائے اُردو **آبِ حیات** ایک تو اس وجہ سے ایک ادبی تحریر ہے کہ اس کا موضوع ادب ہے یعنی شاعر اور ان کی شاعری لیکن دوسری بڑی وجہ اس کا لاجواب حُسن آفریں ادبی اُسلوب ہے۔ محمد حسین آزاد ہی کی ایک دوسری تاریخی تحریر **دربارِ اکبری** کو اُن کے اس بے مثال تمثیلی اُسلوب ہی نے ادب کا شاہ کار بنا دیا ہے جس کے موجد بھی وہی ہیں اور مختتم بھی۔

اُردو میں اپنے ایک سفر کی روئداد کو رپورتاژ کے عنوان کے تحت سب سے پہلے کرشن چندر نے پودے کے عنوان سے تحریر کیا اس لیے اُنھیں اُردو کا پہلا رپورتاژ نگار کہا گیا۔ لیکن ادبی اُسلوب کے روئدادیں تو چوں کہ اُن سے پہلے بھی اُردو میں لکھی گئیں ہیں اس لیے یہ بحث چل نکلی کہ آیا واقعی کرشن چندر ہی اُردو کے پہلے رپورتاژ (ادبی اُسلوب کی حامل روداد لکھنے والے) ہیں کہ نہیں؟

محققین اور ناقدین کے درمیان اس بات میں اختلاف نظر آتا ہے کہ اُردو کا اولین رپورتاژ کون سا ہے؟ عبدالعزیز، انور سدید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> **نظام** بمبئی کا واحد ادبی رسالہ تھا جس نے ترقی پسند ادب کو پیش کرنے میں سبقت حاصل کی **نظام** کا تابناک دَور وہ ہے جب قدوس صہبائی اس کے مدیر بنے اور اس کی امتیازی خوبی یہ ہے کہ ایک نئی صنفِ ادب '' رپورتاژ'' کا اولین اظہار نظام کے صفحات پر ہوا بعد میں کرشن چندر کے رپورتاژ پودے کی تقلید میں ابراہیم جلیس نے اُردو ادب کا اہم رپورتاژ **شہر** لکھا تو یہ بھی نظام میں ہی شائع ہوا۔ (۹)

جبکہ طلعت گل اپنی کتاب اُردو میں رپورتاژ نگاری کی روایت میں لکھتی ہیں کہ سجاد ظہیر کی یادیں (۱۹۴۰ء) کو اُردو کا اولین رپورتاژ مانا گیا ہے۔[۱۰] تاہم یہ یاد رہے کہ طلعت گل صاحبہ نے اپنی پوری کتاب میں اس بات کا فیصلہ نہیں کیا کہ اُردو کا اولین رپورتاژ کون سے ہے؟

پودے کے عنوان سے لکھی جانے والی متذکرہ تحریر کو کرشن چندر نے رپورتاژ کی صنف میں شمار کیا ہے جب کہ اس قسم کی ایک تحریر **یادیں** کے عنوان سے سجاد ظہیر نے ۱۹۳۵ء میں پیرس میں ہونے والی ترقی پسند مصنفین کی عالمی کانفرنس کے سلسلے میں لکھی اور شائع کروائی تھی۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے نزدیک اس روئداد میں اگرچہ رپورتاژ کی بعض خصوصیات پائی جاتی ہیں لیکن یہ یک مقصدی (Single Purpose) تحریر نہیں ہے اس لیے اس مکمل رپورتاژ نہیں کہا جاسکتا ان کا خیال کہ عام طور پر دنیائے ادب میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ **پودے** یا **یادیں** دونوں میں سے ایک اردو کی پہلی رپورتاژ ہے۔ لیکن ڈاکٹر رفیق حسین اور پروفیسر ثریّا حسین نے سجاد حیدر یلدرم کی ایک سفری روئداد **سفرِ بغداد** (۱۹۰۴ء) کو پہلی اور ان ہی کی ایک اسی قسم کی دوسری تحریر **زیارت قاہرہ و قسطنطنیہ** کو اُردو کی دوسری رپورتاژ تسلیم کیا ہے۔[۱۱] لیکن بقول طلعت گل:

> **سفرِ بغداد** اور **زیارتِ قاہرہ و قسطنطنیہ** دراصل سفرنامے ہیں، جنھیں رپورتاژ کا نہیں دیا جاسکتا ہے۔ ہاں سفرنامے اور رپورتاژ کے تعلق سے رپورتاژ کے کچھ اجزاء ضرور ان دونوں سفرناموں میں مل سکتے ہیں۔[۱۲]

جب کہ خود ظہور احمد اعوان کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ متذکرہ بالا تحریروں سے بہت عرصہ پہلے ۱۸۸۴ء مولوی اقبال علی نے سرسید احمد خان کے سیکرٹری کی حیثیت سے ان کے اور اپنے پنجاب کے علمی و سیاسی دورے کا جو آنکھوں دیکھا حال قلم بند کیا تھا۔ اس کی روداد سفرنامے سے زیادہ رپورتاژ کی مکمل خصوصیات رکھتی ہے۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے نزدیک علی گڑھ سے لاہور تک کا یہ سفر سیر و سیاحت کی جگہ علمی اور تعلیمی امور کے یک مقصدی (Single Purpose) حوالے سے کیا گیا تھا۔ مولوی اقبال علی نے جو کچھ دیکھا اس کی مکمل لمحہ بہ لمحہ رپورٹ دل چسپ انداز میں رکھ کر سفر کے فوراً بعد لکھ کر پیش کردی۔ ڈاکٹر صاحب افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کا نہ نظر تعمق کسی نقاد نے مطالعہ نہیں کیا ورنہ اسے رپورتاژ قرار دینے کے علاوہ کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ۱۸۸۴ء میں اُردو تو کیا غالباً مغرب میں بھی رپورتاژ کی صنف باقاعدہ معرضِ وجود میں آئی تھی۔[۱۳]

اُردو کے اکثر معروف ادیبوں نے رپورتاژ کی تعریف کی ہے کچھ نام یہ ہیں:

محمد حسن عسکری، علی سردار جعفری، سجاد ظہیر، قرۃ العین حیدر، ڈاکٹر قمر رئیس، احتشام حسین، ڈاکٹر اعجاز حسین، ڈاکٹر انور سدید، شمیم احمد، خاطر غزنوی، مسعود مفتی، آغا اشرف، وغیرہ۔ ان سب خواتین وحضرات کی تعریفوں کا بغور مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ تعریفیں رپورتاژ کے حدود وقیود اور اُصول ولوازم سے بحث کرنے کی بجائے ان کی ذاتی آرزومندانہ خواہشوں (Wishful thinking) کی مظہر ہیں۔

رپورتاژ کے عنوان کے تحت لکھی گئی تو کوئی تحریر کرشن چندر کے **پودے** سے پہلے کو موجود ہی نہیں ہے۔

کرشن چندر نے پودے لکھ کر اور اُسے رپورتاژ کہہ کر ادبی قسم کا شوشہ چھوڑ دیا چناں چہ پودے کو ایک ماڈل بنا کر ادیبوں نے رپورتاژ کے عنوان سے ۱۹۴۶ء کے بعد جو روداد یں لکھیں وہی اس نو ایجاد صنف کا کل سرمایہ ہیں۔ اُردو کے جن ادیبوں نے بھی اس عنوان کے تحت لکھا ہے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق لکھا ہے۔ بنیادی طور پر یہ سب تحریریں روداد نویسی ہی کے تحت آتی ہیں لیکن یہ خالی خولی خشک اور سپاٹ تحریریں نہیں ہیں ان میں حسب موقع چاشنی اور نمکینی، شوخی اور شگفتگی، دل سوزی اور دردمندی کی خصوصیات بھی ہیں۔ الفاظ وتراکیب کا ماہرانہ اورفن کارانہ استعمال بھی۔ ان تمام محسناتِ تحریر کا جیسا جیسا معتدل اور موزوں استعمال ان رودادوں میں ہوا ہے اُسی نسبت سے ان میں حُسن اور نکھار نظر آتا ہے اور اسی نسبت سے یہ تحریریں سیدھی سادی وقائع نگاری کی سطح سے بلند ہوکر ادب کی حدود میں داخل ہوگئی ہیں۔ طلعت گل نے اپنی کتاب، **اُردو میں رپورتاژ نگاری کی روایت** میں رپورتاژ جو کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہ کچھ یوں ہے:

> رپورتاژ وہ صنفِ ادب ہے۔ جس میں اہم اور غیر اہم واقعات (یہ نقطۂ نظر کے فرق پر منحصر ہے) ایک فنّی ادبی شان سے پیش کیے جانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس میں معنویت اور پوری سچائی کے ساتھ خارجی تاثرات رپورتاژ نگار کا ذاتی تاثر اور تبصرہ۔ اور دیگر عینی شاہدین (اگر موجود ہوں تو) کے تاثرات، زبان وبیان کی خوبی کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔ جس میں قصّے، واقعے یا حادثے کا بیانیہ انداز اس کی کہانی پن کو نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ فنِ رپورتاژ نگاری میں تصویروں کے ایک سلسلے کے ذریعے قاری کو جائے واقعہ پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہی رپورتاژ کی فنّی خوبی ہے۔ (۱۴)

رپورتاژ نگاری کی جتنی بھی تعریفیں کی گئی ہیں ان میں سے تعریف کنندوں کی آرزومندانہ خواہشوں کو نکال دیا جائے تو اس صنف کے اُصول ومقتضیات کے سلسلے میں یہ باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ رپورتاژ کا چشم دید واقعات ومشاہدات پر مشتمل ہونا ضروری ہے۔

۲۔ رپورتاژ کے بیانات قابلِ تصدیق اور تحقیق (Verifiable) ہوتے ہیں۔

۳۔ مشاہدے کے سلسلے کے بیانات میں شخصی تاثر کی موزوں آمیزش، رپورتاژ کو جان دار بنانے کے لیے ضروری ہے۔

۴۔ قوتِ مشاہدہ عمدہ اور بیان دل پذیر ہونا چاہیے۔

اس سب اُصولوں کی روشنی میں اگر مولانا الطاف حسین حالی کی تحریر ''ایام تعطیل میں ایک سفر کی کیفیت'' کا مطالعہ کیا جائے تو اُسے ہر اعتبار سے ایک معیاری رپورتاژ قرار دیا جاسکتا ہے۔ حالی کی یہ تحریر ایک سلیس وسادہ اسلوب کی روداد تو ہے ہی لیکن شخصی تاثر اور عمدہ قوتِ مشاہدہ کی کارفرمائی کی وجہ سے یہ ایک مکمل رپورتاژ بھی ہے اور اُردو کا پہلا رپورتاژ۔ جو **علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ** ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ کلیاتِ نثرِ حالی کی جلد اوّل میں ص ۴۶۸ سے شروع ہوکر ۴۷۸ تک چلتا ہے۔ اگر حالی کی یہ تحریر ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کی نظر سے چُوک نہ

جاتی تو وہ یقیناً اپنی تاریخ رپورتاژ نگاری میں مولوی اقبال علی کے سفر پنجاب ۱۸۸۴ء کی جگہ اسے اردو کے پہلے رپورتاژ ہونے کے اعزاز سے سرفراز کرتے۔ (۱۵)

کلیات نثر حالیؔ کے مرتب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے حالؔی کے اس رپورتاژ (روداد سفر) کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا حالی جب اینگلو عربک سکول دہلی میں فرسٹ اوری اینٹل ٹیچر تھے تو موسمی تعطیلات میں، جو اس وقت ایک مہینے کی ہوا کرتی تھیں۔ اُنھوں نے خاص طور پر ایک تفریحی سفر ریاست الوَر کا کیا تھا۔ اس سفر میں وہ علی گڑھ، فیروز آباد، اٹاوہ، مین پوری، کان پور، ہیمر پور اور باندی کوئی سے ہوتے ہوئے الوَر پہنچے۔ علی گڑھ میں سرسید کے مہمان رہے۔ علی گڑھ کالج دیکھنے کا یہ ان کا تیسرا موقع تھا اس کا حال بیان کرتے ہوئے مولانا کے ایک ایک لفظ سے اس محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے جو اُنھیں علی گڑھ اور سرسید کی ذات سے تھی۔ دہلی سے الوَر تک حالی جن جن مقامات سے گزرے ان کی مختصر کیفیت بیان کی ہے۔ سب سے مفصّل حالات الوَر کے لکھے ہیں جہاں وہ خاص طور پر گئے تھے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُنھوں نے اس سفر کے لیے خاص الوَر کو کیوں منتخب کیا۔

حالی کا یہ رپورتاژ متعدد اعتبارات سے معلومات افزا ہے مثلاً ایک یہ بات کہ سرسید کے دینی و مذہبی معتقدات کئی پہلوؤں سے جمہور مسلمانوں سے مختلف تھے۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی عام مسلمانوں میں علی گڑھ کالج کی نسبت بدگمانیاں تھیں کہ اگر تعلیم کے لیے وہاں لڑکوں کو بھیجا گیا تو سرسید انھیں اپنے مذہبی رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں گے۔ حالی کے زیرِ نظر رپورتاژ سے واضح ہوتا ہے کہ سرسید مسلمانوں کو انگریزی وضع کی تعلیم کے خواہاں تھے کہ وہ اس میں ان کی ترقی مضمر سمجھتے تھے۔ اپنے دینی عقائد کی اشاعت اور فروغ کا انھیں کوئی شوق نہیں تھا چناں چہ اُنھوں رسالہ تہذیب الاخلاق جس میں ان کے ہر طرح کے معاشرتی، مذہبی، تاریخی وغیرہ مضامین شائع ہوتے تھے اس کی کوئی کاپی مفت یا قیمتاً کسی طالب علم کو نہیں دیتے تھے۔

علی گڑھ میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کا کوئی خاص اہتمام نہیں تھا لیکن عبادات مثلاً نماز، روزہ کے لیے طالب علموں کو سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔

زیرِ نظر رپورتاژ میں حالی نے جن جن مقامات پر دورانِ سفر میں قیام کیا تھا، ہاں کی نمایاں خصوصیات اور مصنوعات کو مختصراً بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے مسلمانوں کی حالتِ زار پر خصوصی نظر کی ہے مثلاً فیروز آباد کی مسلم آبادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> یہاں کے مسلمان جو پہلے بہت آسودہ اور عرفہ الحال تھے اب اس قدر پست حالتیں ہیں کہ وہاں کے ذی اعتبار باشندوں میں اُن کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ (۱۶)

حالی کا یہ رپورتاژ حالی کے معروف دھیمے لیکن پُر اثر اُسلوب کا نمائندہ ہے جس میں موقع بہ موقع دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ ساتھ موقع کی مناسبت سے نہایت لطیف طنز کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں مثلاً مین پوری میں حالی جن صاحب کے ہاں مہمان ٹھہرے تھے وہ سرسید احمد خان کے ہم خیال تھے اور ان کی نشست و

برخاست کے انداز مغربی تھے یعنی میز کرسی پر کھانا وغیرہ۔ چناں چہ ان سے رخصت ہو کر جب وہ گھوڑا گاڑی کے ذریعے اگلے مقام تک جانے کے لیے نکلے تو راستے میں کوچبان نے محض اس لیے کہ وہ ایک جدید خیالات کے مسلمان کے مہمان رہے ہیں انھیں پانی پینے کے لیے اپنا کٹورا تک نہیں دیا۔ اس بات کے بیان کے لیے حالی کا ان کا مخصوص، دھیما لیکن طنزیہ اُسلوب ملاحظہ کیجیے:

> گاڑی کا کوچبان اتفاق سے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت متقی بھی تھا اُس نے یہ بات معلوم ہونے پر راستے میں ہم کو پانی پینے کے لیے اپنا کٹورا تک نہیں دیا اور ہم سے برابر ایسے پرہیز کرتا رہا جیسے بعض ہندو مسلمان سے کرتے ہیں۔ اوّل تو ہم کو اس سے بہت تعجب ہوا لیکن پھر یاد آیا کہ ہم نے اپنے عالی قدر میزبانی کے ہاں برابر دو وقت میز پر کھانا کھایا تھا اور اسی لیے ہم سے پرہیز کرنا ضروری تھا۔ [۱۷]

حالی کی مندرجہ بالا عبارت، ان کے زیرِ نظر رپورتاژ کی ایک ادبی خوبی کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ اس لیے بھی اہمیّت کی حامل ہے کہ اس سے ہمیں اس دور کے مسلمانوں کی شدّت پسندی کے ایک رُخ کا بھی اندازہ ہوتا ہے یہ وہی شدّت پسندی تھی جس نے سرسید احمد خان کی تعلیمی تحریک کے راستے میں ہر طرح کے روڑے اٹکانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔

رپورتاژ کے تقریباً سبھی نقادوں نے اس کے لیے یک مقصدی (Single Purpose) ہونا ضروری قرار دیا ہے یعنی جس طرح مختصر افسانے (Short Story) کے لیے وحدت تاثر کا ہونا ضروری ہے اسی طرح رپورتاژ کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ روئداد طویل ہو یا مختصر، اس کے لکھنے والے کے سامنے صرف ایک مقصد ہونا چاہیے جیسے کرشن چندر کی رپورتاژ (**پودے**) میں ہے جو اکسٹھ صفحات پر محیط ہے۔ کچھ ترقی پسند ادیب بوری بند ریلوے سٹیشن سے ریل گاڑی کے ذریعے ترقی پسند مصنفین کے اجلاس میں شرکت کے لیے حیدر آباد گئے تھے۔ کرشن چندر نے اس سفر اور حیدر آباد میں ان ادیبوں کی مصروفیات، ان کی بول چال، ان کے طرزِ عمل کی عکاسی کو اپنے رپورتاژ کا موضوع بنایا ہے۔ اسی طرح کی یک مقصدیت حالی کے زیرِنظر رپورتاژ" ایام تعطیل میں ایک سفر کی کیفیت"، میں بھی نظر آتی ہے۔ گو حالی نے اس سفر کی غرض و غایت بیان نہیں کی لیکن ان کی اس سفری روئداد کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ علی گڑھ اور کچھ دیگر غیر معروف مقامات کے باشندوں (خواہ ہندو ہوں یا مسلمان) کے تمدّنی اور تہذیبی کوائف کا بہ چشمِ خود مشاہدہ کر کے ان کا حال قلم بند کرنا چاہتے تھے۔

حالی کا یہ رپورتاژ گو نہ مختصر ہے نہ طویل۔ لیکن اس کا مقصدِ تحریر ایک ہے، اور اس میں حالی نے اپنے مقصد سے ہٹ کر ایک سطر بھی نہیں لکھی۔ انھوں نے اختصار اور کفایت لفظی سے کام لیا ہے لیکن اس کے باوجود جو کچھ دکھانا اور بتانا چاہا ہے بخوبی بتا دیا ہے۔ وہ تفصیلات میں تو نہیں گئے لیکن اختصار کو بھی انھوں نے اظہارِ مدعا کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا۔ اُنھوں نے جس حالت کا بیان کیا ہے اس کی تصویر کھینچ دی ہے۔ دلّی سے ہیمر پور تک اُنھوں نے مسلمانوں کی جس تہذیبی سطح پر پایا اس کا بیان یوں کیا ہے:

دلّی سے ہیمر پور تک ہم کو شریف مسلمانوں کی اکثر صحبتوں میں بیٹھنے اور ان کی بات چیت سننے کا اتفاق ہوا۔ تقریباً تمام مجلسوں کا رنگ ہم نے ایک ہی اصل پر دیکھا۔ وہی بے جا شیخی اور تعلّی اور ہر پہلو سے اپنی تعریف نکالنی۔ لوگوں کے عجیب ڈھونڈ نے اور ان کا بُرائی سے یاد کرنا۔ حاضرین کی خوشامد اور غائبین کی بد گوئی۔ بات بات میں فحش اور دشنام سے زبان کو آلودہ کرنا اور سب سے زیادہ خود غرضی اور تعصب کا بازار ہر جگہ گرم پایا۔ (۱۸)

رپورتاژ کی جو بھی تعریف کی جائے اور اس کے جو بھی اُصول ولوازم بتائے جائیں، ہر اعتبار سے حالی کا یہ رپورتاژ ایک مکمل اور بھر پور رپورتاژ ہے۔ چشم دید حالات وکوائف کے بیان کے اعتبار سے، واقعات کے بیان میں حشو وزوائد سے اجتناب کے اعتبار سے، سادہ و عام فہم لیکن پُر اثر اعتبار سے، یک مقصدی ہونے کے لحاظ سے۔ غرض کہ کسی بھی پہلو سے اس کا جائزہ لیں یہ ایک پُر تحریر ہے۔ ایک معیاری رپورتاژ ہے۔ یہ اپنے زمانی تقدم کی وجہ سے اُردو کا پہلا رپورتاژ ہے اور اس کے لکھنے والے، الطاف حسین حالی اُردو کے پہلے رپورتاژ نگار۔

حوالے وحواشی:

(1) The concise Oxford Dictionary of Current English 1966, London, page1054.

(2) Chambers Twentieth Century Dictionary, 1965, London.

(۳) **اوکسفورڈ انگلش اُردو ڈکشنری** (مرتب ومترجم: شان الحق حقی)، ۲۰۰۹ء کراچی۔

(۴) میرے پیشِ نظر اس ڈکشنری کی ۱۹۹۹ کی اشاعت ہے۔

(۵) ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر؛ ۱۹۹۹ء، **داستان تاریخ رپورتاژ نگاری**، پشاور ادارہ علم وفن، ص ۹۹۵، ۹۹۶

(۶) ایضاً، ص ۹۹۶، بقول ڈاکٹر اعوان، پہلے یہ ۱۹۴۶ء میں رسالہ **نظام** بمبئی میں قسط وار شائع ہوئی، میرے پیشِ نظر کتابی شکل میں اس کی ۱۹۷۳ء کی اشاعت ہے۔ (سنگم پبلشرز، لاہور)

(۷) شمیم احمد، ''رپورتاژ اور اس کا موضوع''، (مضمون) ۱۹۸۹ء، مشمولہ؛ **اُردو نثر کا فنّی ارتقا**، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ۔

(۸) راقم الحروف کا انٹرویو: پروفیسر ڈاکٹر محمد احسان الحق، شعبۂ اُردو، سرحد یونی ورسٹی پشاور، وقت؛ ۳ بجے سہ پہر، مورخہ: ۱۹/ جنوری ۲۰۱۶ء

(۹) عبدالعزیز (مرتب)، ۱۹۷۷ء؛ **اُردو میں رپورتاژ نگاری**، دہلی، مکتبہ شاہراہ، ص ۳۵

(۱۰) ثریّا حسین (مرتب)؛ ۱۹۸۵ء **مضامینِ یلدرم**، لکھنؤ، اتر پردیش اُردو اکادمی، ص ۱۰۲

(۱۱) طلعت گل؛ ۱۹۹۲ء، **اُردو میں رپورتاژ نگاری کی روایت**، نیو پبلک پریس دہلی، ص ۱۹

(۱۲) ایضاً، ص ۵۴

(۱۳) ظہور احمد اعوان، ڈاکٹر، کتابِ مذکور، ص ۵۸۔۵۹

(۱۴) طلعت گل، کتابِ مذکور، ص ۵۴

(۱۵) ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے اپنی قابل تحسین تصنیف **تاریخ داستان رپورتاژ نگاری** (دسمبر ۱۹۹۹ء)، اپنے خرچ سے اپنے اہتمام میں پشاور سے شائع کی تھی۔ یہ ضخیم کتاب ۱۱۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے ایک جامع و مانع تصنیف بنانے میں ڈاکٹر اعوان نے بلاشبہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہ کتاب تحقیق و تنقید کا ایک خوب صورت مرقع ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک ذہین و فطین، محنتی اور جفاکش ادیب تھے۔ بڑے وسیع المطالعہ۔ لیکن بہر حال انسان تھے اور انسانی کاموں میں کمزوریاں رہ ہی جاتی ہیں کسی موضوع پر کسی تحریر کے اولین ہونے کا دعویٰ ایسا دعویٰ ہوتا ہے جس سچّا ہونے کے اعتبار سے ہمیشہ خطرے میں رہتا ہے۔ کیوں کہ دعویٰ کرنے والا کبھی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اس موضوع کی تمام تحریروں کو دیکھنے اور پڑھنے پر قادر ہو جائے۔ تحریروں کی مشینی طباعت اور جدید ذرائع اشاعت کے عام ہونے کے سبب بے شمار تحریریں اور بڑی معقول اور عمدہ تحریریں غیر معروف مقامات سے طبع و شائع ہو رہی ہیں اور ایک انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ان سب کا مطالعہ کر سکے۔ کلیاتِ نثر حالی، جس میں حالی کی متذکرہ تحریر (رپورتاژ یا رودادِ سفر) شائع ہوئی ہے، مجلس ترقی ادب لاہور سے پہلی مرتبہ دسمبر ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی تھی، ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کی مذکورہ تاریخ رپورتاژ دسمبر ۱۹۹۹ء۔ لیکن افسوس کہ وہ اپنی تاریخ مرتب کرتے وقت کلیاتِ نثر حالی، کا مطالعہ نہ کر سکے۔

(۱۶) حالی، الطاف حسین؛ ۱۹۶۷، **کلیاتِ نثر حالی**، (جلد اوّل) شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مرتب)، لاہور مجلس ترقی ادب، ص ۴۷۰

(۱۷) ایضاً، ص ۴۷۱

(۱۸) ایضاً، ص ۴۷۳

○○○